# قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ آیات

احمد حسن

قرآن مجید میں نسخ آیات کے بارے میں دور قدیم سے ہی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ دور حاضر میں بھی اس مسئلہ پر اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے اصول فقہ کی کتابوں میں بھی اس موضوع پر تفصیل سے بحثیں ملتی ہیں۔ ناسخ و منسوخ آیات پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ تاہم اہل علم کے درمیان آج تک اس بات پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ قرآن مجید میں منسوخ آیات کتنی ہیں یہ بات بھی پورے طور پر واضح نہیں ہے کہ جو آیات منسوخ سمجھی جاتی ہیں ان کو نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق منسوخ سمجھا گیا ہے' یا قرآن مجید خود واضح و صاف لفظوں میں ان کو منسوخ کرتا ہے۔

قرآن مجید چونکہ آنحضرتؐ پر نازل ہوا اس لئے نسخ کے بارے میں آپ کی ہدایات ہی حتمی ہو سکتی تھیں۔ اس کے بعد اس مسئلہ میں کوئی نزاع نہ ہوتا لیکن اس بارے میں آپ کی طرف سے کوئی صریح ارشادات موجود نہیں ہیں۔ اہل علم' بالخصوص فقہاء نے تدبر قرآن، احادیث نبویہ، آثار صحابہ، تعامل امت اور اپنی رائے وبصیرت کی روشنی میں منسوخ آیات کا تعین کیا ہے۔ اس لئے مختلف زمانوں میں منسوخ آیات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ ذیل میں ہم اس مسئلہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالیں گے، اور اس کا تاریخی تجزیہ پیش کریں گے۔

نسخ کے لغوی معنی ہٹانے، زائل کرنے یا منتقل کرنے کے ہیں۔ نسخت الریاح الآثار (ہواؤں نے نشانات مٹا دیئے) اور نسخت الشّمس الظل (دھوپ نے سایہ زائل کر دیا) وغیرہ مثالیں زائل کرنے کے مفہوم کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ نسخت الکتاب (میں نے کتاب نقل کی) میں لفظ نسخ کا مفہوم کسی چیز کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے۔ (۱) اصطلاح شریعت میں نسخ ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدلنے کو کہتے ہیں۔ اس کا مقصد مدت حکم کا بیان اور وضاحت ہے۔ (۲) نسخ کا محل صرف احکام ہیں جو اوامر اور نواہی پر مشتمل ہوتے ہیں' اخبار میں نسخ نہیں ہوتا۔ نسخ کی مناسبت سے احکام کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں۔ اولاً، ایسے احکام جن کا ابدی ہونا نص سے ثابت ہو ثانیاً

ایسے احکام جن کی ابدیت دلالت النص سے ثابت ہو۔ ثالثاً ایسے احکام جن کی توقیت نص سے معلوم ہو جبکہ چوتھی قسم میں وہ احکام شامل ہیں جو مطلق ہوں، جن کی توقیت یا ابدیت نص سے معلوم نہ ہو' بلکہ ان میں دونوں کا احتمال ہو۔ پہلی تین قسموں میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ صرف احکام کی چوتھی قسم محل نسخ ہو سکتی ہے۔ (۳)

فقہاء نے قرآن مجید میں نسخ کی چار صورتیں بتائی ہیں اولاً ایسی آیات جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہیں۔ ثانیاً ایسی آیات جن کا حکم منسوخ ہے تلاوت باقی ہے ثالثاً ایسی آیات جن کی تلاوت منسوخ ہے حکم باقی ہے۔ رابعاً، احناف نص پر اضافہ کو بھی نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۴) ان پر ہم علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔ سب سے پہلے ہم اس قسم کی آیات پر گفتگو کرتے ہیں جن کی تلاوت باقی ہے' لیکن حکم منسوخ ہے۔ ایسی ہی آیات کے بارے میں شدت سے اختلافات ہیں، اور مفسرین و فقہاء نے اپنے اپنے ذوق و بصیرت یا بعض روایات کی بنا پر ان کو منسوخ کہا ہے۔ ہمارے اس مقالے کا موضوع بیشتر اسی قسم کی آیات ہیں۔

تاریخ کے کس دور میں نسخ آیات کا تصور پیدا ہوا؟ اس بارے میں یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ اتنی بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں کے مختلف حالات کے مطابق احکام نازل ہوتے تھے۔ تبدیلی حالات کے ساتھ احکام بدلتے رہتے تھے' نئے حکم کے آتے ہی سابق حکم پر عمل نہیں رہتا تھا، اگرچہ اس حکم سے متعلق آیات باقی رہتی تھیں۔ یہ بحث علیحدہ ہے کہ بعض آیات ایسی بھی بتائی جاتی ہیں جن کی تلاوت اور حکم دونوں ہی اٹھالئے گئے' قرآن مجید کی تفسیر اور اس سے استنباط احکام کا سلسلہ جب باقاعدہ طور پر شروع ہوا تو مفسرین و فقہاء دونوں ہی طبقوں کو اس بارے میں یقیناً دشواری پیش آئی ہو گی کہ بعض متضاد آیات کی تطبیق کس طرح کی جائے۔ بیشتر آیات کے درمیان بظاہر تطبیق اور موافقت نہ ہونے کے سبب ہی غالباً تصور نسخ کو ایک علمی اور فنی مسئلہ بنا کر قرآن مجید کی تفسیروں اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس امر پر تفصیل سے بحثیں کی گئی ہیں اور آج تک یہ مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں منسوخ آیات ماننے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود بعض آیات قرآن میں نسخ و تبدیلیٔ احکام کو بتلاتی ہیں۔ چنانچہ نسخ آیات کی تائید میں مندرجہ ذیل آیات عام طور پر پیش کی جاتی ہیں :

**(۱) ما ننسخ من آية او ننسها نات بخير منها أو مثلها، الم تعلم ان الله على كل شئى قدير. (۲ : ۱۰٦)**

ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت بھیج دیتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

**(۲) واذا بدلنا آیة مکان آیة و اللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثر ھم لا یعلمون.(۱۶:۱۰۱)**

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے' تو وہ (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو (یونہی) اپنی طرف سے بنا لاتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر نادان ہیں۔

**(۳) یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب (۱۳ : ۳۹)**

اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے' اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

ہم ان آیات پر علیحدہ تفصیل سے بحث کر کے دیکھیں گے کہ ان سے واقعی نسخ آیات ہی مراد ہے یا کچھ اور۔

قرآن مجید میں نسخ آیات کا تصور پہلی صدی ہجری کے آخر میں علمی طور پر زیر بحث آنے لگا تھا۔ امام شافعی سے پہلے قدیم مکاتب فقہ میں بعض مسائل میں منسوخ آیات کو بتلایا گیا ہے۔ ابراہیم نخعی (متوفی ۹۶ھ) کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آیت ۵ : ۱۰۶ منسوخ ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کے وقت مسلمان غیر مسلم کو بھی گواہ بنا سکتا ہے۔ ابراہیم نخعی کے اس قول کو نقل کر کے امام محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ چونکہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اس لئے اب غیر مسلم کو گواہ نہیں بنایا جاسکتا صرف مسلمان ہی گواہ ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں وہ امام ابو حنیفہ کی رائے بھی یہی نقل کرتے ہیں۔ (۵) اسی طرح امام مالک آیت ۲ : ۱۸۰ کو منسوخ مانتے ہیں۔ اس آیت میں مرتے وقت والدین اور رشتہ داروں کے حق میں اپنے مال کی وصیت کرنے کا حکم ہے۔ امام مالک کے نزدیک چونکہ یہ آیت منسوخ ہے اس لئے اس کو نقل کر کے وہ کہتے ہیں "جن رشتہ داروں کو شرعی قانون کے مطابق میراث میں حصہ ملتا ہے ان کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ ہاں تمام حصہ داروں کی اجازت سے ایسا کیا جاسکتا ہے"۔ (۶) یوں تو نسخ آیات کے بارے میں صحابہ کے اقوال بھی ملتے ہیں' تاہم بعض متقدمین کی رائے نقل کرنے سے ہمارا مقصود یہ بتانا ہے کہ اصولی طور پر تدوین فقہ کے ارتقائی مراحل میں ابتداء سے ہی یہ تصور موجود تھا۔ اصول فقہ کی باقاعدہ تدوین و ترقی کے بعد مسئلہ نسخ نے بہت اہمیت حاصل کر لی۔ آخر میں اس پر اجماع صحابہ کا بھی دعویٰ کیا گیا۔ (۷)

علماءِ اصول "ما ننسخ من آیة" (۲ : ۱۰۶) سے نسخ آیات ثابت کرتے ہیں۔ لیکن معتزلہ اسی آیت کو خلق قرآن کے اثبات میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں وقتاً فوقتاً احکام منسوخ ہوتے رہے اس لئے یہ ابدی نہیں ہو سکتا۔ (۸) لیکن ان میں سے ایک گروہ سرے سے نسخ احکام کا منکر ہے۔ ان کے خیال میں قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ (۹) دور حاضر کے بعض مسلمان مفکرین نے بھی نسخ آیات کا انکار کیا ہے۔

متاخر دور میں اہل علم نے مسئلہ نسخ کو بہت اہمیت دی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ کچھ ان تصانیف سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ہمیں بعد کے دور میں ملتی ہیں۔ ابن ندیم نے بیس (۲۰) تصانیف کا ذکر کیا ہے '(۱۰) اور سیوطی بیشمار بتلاتے ہیں۔ (۱۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ناسخ و منسوخ آیات کے علم کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ایک بار حضرت علیؓ نے کوفہ کی مسجد میں ایک شخص کو دینی مسائل بتاتے ہوئے دیکھا۔ آپؓ نے اس سے دریافت کیا کہ اسے قرآن مجید کی ناسخ و منسوخ آیات کے بارے میں علم ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ خود کو بھی فریب دے رہا ہے اور دوسروں کو بھی۔ اور آئندہ ان مسائل پر گفتگو کرنے سے اس کو منع کر دیا۔ (۱۲) اس قسم کی اور بھی متعدد روایات ملتی ہیں، لیکن یہ اس لئے مشکوک ہو جاتی ہیں کہ ناسخ و منسوخ آیات کی تعداد صحابہ کے دور میں بھی متعین نہیں تھی۔ بلکہ ہر دور میں ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ کچھ مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں کہ بعض صحابہ جن آیات کو منسوخ کہتے ہیں دوسرے اُن کے منسوخ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے حضرت علیؓ کی مراد شاید یہ ہو کہ منسوخ آیات کے بارے میں متقدمین کے اقوال کا علم ہونا ضروری ہے۔

اہل علم نے ماضی میں نسخ کے لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے منسوخ آیت سے کیا مراد ہے یہ بات سمجھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض صحابہ سے بھی اس کا استعمال مختلف معنوں میں مروی ہے۔ تبدیل حکم کے علاوہ نسخ کو استثناء، تخصیص، اور تفسیر و بیان کے معانی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ (۱۳)

متقدمین کے یہاں کسی آیت کے ناسخ ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ کسی آیت کے ابہام کو دور کرتی ہے یا کسی ایک مفہوم میں اس کو خاص کرتی ہے۔ متاخر دور میں اس کے مختلف معانی کا لحاظ کئے بغیر اس کو عام طور پر تبدیلی حکم کے مفہوم میں ہی سمجھا جانے لگا۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض آیات مجمل ہیں، اور دوسری آیات ان کے صحیح معنی متعین کرتی ہیں۔ اس قسم کی آیات کو جو مجمل آیات کی تفسیر کرتی ہوں، یا عام کو خاص کرتی ہوں، یا مطلق کو مقید کرتی ہوں، نسخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ احناف کے یہاں نص پر اضافہ کو نسخ کہا جاتا ہے۔ (۱۴) ابو اسحاق شاطبی نے اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ مثلاً ابن عباس کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آیت

**من کا ن یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلها مذموما مدحورا(۱۷:۱۸).**

ترجمہ جو شخص دنیا کی (آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے لئے جہنم کو ٹھکانا مقرر کر رکھا ہے۔ اور وہ اس میں بد حال، راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا)۔

درج ذیل آیت

**من کان یرید حرث الاخرة نزدله فی حرثه، ومن کان یرید حرث الدنیا نوته منها وماله فی الاخرة من نصیب ( ۴۲ : ۲۰ )**

ترجمہ جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لئے ہم اس کی کھیتی افزائش کریں گے۔ اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیں گے' اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔

کو منسوخ کرتی ہے۔

پہلی آیت خاص ہے اور دوسری عام۔ یہاں نسخ درحقیقت تخصیص کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح ابن عباس نے ہی سورۃ شعراء کی آیات

**و الشعراء یتبعهم الغاؤن ط الم ترانهم فی کل واد یهیمون وانهم یقولون مالا یفعلون ( ۲۶ : ۲۲۴ . ۲۲۶ )**

ترجمہ :اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔



درج ذیل آیت

**الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت و ذکروا الله کثیراً وانتصروا من بعد ما ظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون. ( ۲۶:۲۲۷ ).**

ترجمہ : مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور خدا کو بہت یاد کرتے رہے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا۔ اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں،

سے منسوخ ہیں۔ یہاں نسخ سے ان کی مراد استثناء ہے۔ (۱۵) اس قسم کی مثالوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قدیم دور میں نسخ کا لفظ عام معنوں میں مستعمل تھا' اور ہر موقع پر اس کو تبدیلیٔ حکم کے مفہوم میں ہی استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال ہے کہ متقدمین کے یہاں منسوخ آیات کی تعداد متاخر دور کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ (۱۶)

ہم یہ بات پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ نسخ آیات کے بارے میں صرف نبی کریمؐ کی رائے حتمی مانی جاسکتی ہے۔ لیکن آپ نے ناسخ و منسوخ آیات کے بارے میں کوئی واضح ھدایات نہیں چھوڑیں۔ اور تعجب ہے کہ اگر واقعی قرآن مجید میں منسوخ احکام یا آیات موجود تھیں تو احادیث میں ہمیں اس کی تصریح کیوں نہیں ملتی۔ آنحضرتؐ اس اہم مسئلہ

کو امت کے اجتہاد اور رائے پر کبھی نہ چھوڑتے۔ اس بارے میں خود صحابہ کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ منسوخ آیات کا تعین عہد نبوی میں نہیں ہوا۔ ہم یہاں چند آیات مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں جن کے منسوخ ہونے میں صحابہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ابن عمر کہتے ہیں کہ آیت

**و علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین ( ۲ : ۱۸۴ )**

ترجمہ۔ ان لوگوں پر جو روزہ کی (مشکل سے) طاقت رکھتے ہیں فدیہ دینا ہے' جو ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے،

کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اس کو اس کے بعد والی آیت فمن شهد منكم الشهر **فليصمه** نے منسوخ کیا ہے۔ اس کے برعکس ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق شیخ فانی اور معذورین پر ہوگا۔ چنانچہ انس بن مالک اسی پر عمل کرتے تھے' وہ بڑھاپے میں روزہ نہیں رکھتے تھے' اور فدیہ دیتے تھے۔ (۱۷) آیت وصیت ۴ : ۸ کے بارے میں امام بخاری نے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔ **ان ناسا یزعمون ان هذه الایة نسخت، ولا والله مانسخت' و لکنها مما تهاون الناس** (۱۸) لوگ اس آیت کو منسوخ سمجھتے ہیں، بخدا یہ منسوخ نہیں ہے لیکن اس بارے میں لوگوں نے بے اعتنائی سے کام لیا ہے۔

تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ صحابہ کے درمیان اختلاف کی بنا پر تابعین نے بھی اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اور بہت کم آیات ایسی ہوں گی جن کے منسوخ ہونے کے بارے میں دو آرا نہ ملتی ہوں۔

منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے اوپر بتائی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی کچھ تفصیل درج کرتے ہیں (۱۹) :

| | |
|---|---|
| وہ آیات جو انفرادی طور پر منسوخ سمجھی جاتی ہیں | ۲۰۱ |
| سورۃ الاحزاب میں منسوخ آیات | ۲۱۳ |
| سورہ توبہ کے برابر ایک سورت تھی جو منسوخ ہو گئی | ۱۳۰ |
| خلع وحفد کی آیات | ۱۸ |
| رحم و رضاعت کی آیات | ۲ |
| میزان = | ۵۶۴ |

قرون وسطیٰ میں منسوخ آیات کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ایک جہاد کے حکم سے ہی جسے آیت السیف

کہتے ہیں ایک سو تیرہ آیتیں منسوخ بتلائی جاتی ہیں۔ یہ وہ آیتیں ہیں جن میں صبر، عفو ودرگزر، اور مصائب برداشت کرنے کے احکام تھے۔(۲۰) ابو مسلم اصفہانی (متوفی ۳۲۲ھ) نے، غالباً سب سے پہلے 'نسخ کا قطعی انکار کر دیا۔(۲۱) جوں جوں زمانہ گزرتا گیا منسوخ آیات کی تعداد کم ہوتی گئی چنانچہ امام سیوطی نے گھٹا کر ان کی تعداد بیس (۲۰) کر دی، (۲۲) اور شاہ ولی اللہ نے پانچ بتلائی۔(۲۳) جن آیات کو متضاد سمجھ کر منسوخ بتلایا گیا تھا، بعد کے دور میں ان کی اس طرح تفسیر اور توجیہہ کی گئی کہ انکے درمیان تضاد دور ہو گیا، اور وہ پھر منسوخ نہیں رہیں۔ شہرستانی نے نسخ شرائع پر بحث کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ ہر دور میں ہر قوم کے مزاج اور حالات کے لحاظ سے احکام بھیجے جاتے تھے، اور بعد کی شریعتیں پہلے کی شریعتوں کو منسوخ کرتی رہی ہیں۔ انہوں نے نسخ شرائع کو انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل سے تشبیہ دی ہے۔ اور یہ بتلایا ہے دین کی ہر دوسری حالت اپنے سے پہلی حالت کو منسوخ کر دیتی ہے۔ ان کے خیال میں ظہور اسلام تک دین اپنے ارتقائی مراحل سے گذرتا رہا، اور اسلام نے اس کی تکمیل کی۔ اس لئے شریعت اسلام نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔(۲۴) تاہم شہرستانی نے قرآن مجید میں انفرادی آیات کے منسوخ ہونے پر تفصیلی بحث نہیں کی۔ جو لوگ نسخ آیات کا انکار کرتے ہیں وہ بھی نسخ آیات سے مراد نسخ شرائع لیتے ہیں۔



عصر حاضر کے مفکرین میں مفتی محمد عبدہ نسخ احکام کو اصولی طور پر تو تسلیم کرتے ہیں، تاہم عملی طور پر وہ قرآن مجید کی ناسخ ومنسوخ آیات میں تطبیق وموافقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲۵) اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ نسخ آیات کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے قرآن مجید میں کثرت سے منسوخ آیات پر اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے، اور اس بارے میں انہوں نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔ سر سید احمد خان نے نسخ آیات کا قطعی طور پر انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آیت ۲ : ۱۰۶ میں نسخ آیت سے مراد نسخ شرائع ہے نہ کہ قرآن مجید کی آیات کا نسخ۔(۲۶) اسلم جیراج پوری بھی نسخ آیات کو تسلیم نہیں کرتے۔ مسئلہ نسخ پر وہ اپنی بحث یہ کہہ کر ختم کر دیتے ہیں کہ کلام الٰہی اس سے بہت بلند ہے کہ انسانی رائے اس کو منسوخ کرے۔(۲۷) محمد الخضری نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں ان آیات کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جن کو سیوطی نے منسوخ بتلایا ہے۔ عصر حاضر کے مفکرین میں عام طور پر یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبید اللہ سندھی بھی نسخ آیات کے نظریہ کے قائل نظر نہیں آتے۔ شاہ ولی اللہ نے اگرچہ منسوخ آیات کی تعداد گھٹا کر پانچ کر دی ہے، تاہم وہ بھی اس نظریہ سے خوش نہیں ہیں۔ ایک مقام پر وہ منسوخ آیات کے بارے میں عام مفسرین اور فقہاء کی رائے کو احتیاط سے قبول

کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔(۲۸)

اہل کتاب میں یہودی وحی الہی میں نسخ کے قائل نہیں ہیں۔ عیسائی شریعت موسوی کو منسوخ مانتے ہیں۔(۲۹) بائبل کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ اور حکم دونوں قسم کے نسخ کو تسلیم کرتے ہیں۔(۳۰) جرمن مستشرق نولدیکے نے اسی نظریہ کی بنا پر اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ نسخ وحی ایک ایسا عجیب تصور ہے جس کو آنحضرتؐ خود پیش نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں نسخ وحی کا تصور عیسائی نظریہ نسخ شرائع سے مشابہت رکھتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انجیل نے یہودی شریعت کو منسوخ کر دیا۔(۳۱) مستشرقین اپنی علمی تحقیقات میں عام طور پر یہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کے بنیادی عقائد، تصورات اور قوانین یہودیت یا عیسائیت یا دوسرے مذاہب سے ماخوذ یا متاثر ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی غالباً نولدیکے دبی زبان سے یہی بات کہنا چاہتے ہیں۔ اس تصور کے عجیب و بے مثال ہونے میں تو ہم ان کے ساتھ متفق ہیں، تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلام میں نسخ وحی کا تصور عیسائی نظریہ سے ماخوذ یا متاثر ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے تاریخی شواہد و مثبت قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ مسلمان مفکرین کے درمیان اس تصور کے بارے میں چاہے جتنا اختلاف ہو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ تفسیری و فقہی کاوشوں کے نتیجہ میں یہ تصور خود مسلمانوں کا دیا ہوا ہے۔ پروفیسر فون گرونے باؤم (Von Gru-nebaum) نے نولدیکے سے اختلاف کیا ہے۔ وہ قرآنی تصور نسخ وحی کو زیادہ میکانکی بتلاتے ہیں۔(۳۲) مستشرق گیلام (Guillaume) نسخ وحی کے نظریہ کو مانتے ہیں، لیکن وہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ نزول قرآن کے ابتدائی دور میں اکثر و بیشتر تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اس قسم کے دلائل سے وہ قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ اسی سیاق میں انہوں نے آنحضرتؐ کے بتوں کے سامنے سجدہ کرنے کی روایت کو بھی بہت اچھالا ہے۔ اور اس واقع کو درست بتلایا ہے۔(۳۳)

اب ہم ان تین آیتوں پر مختصر گفتگو کرتے ہیں جن پر نسخ کا نظریہ مبنی ہے۔ ان میں سے پہلی آیت ۲: ۱۰۶ ہے۔ اس آیت کے ساتھ اگر ہم ان مضامین کو ملا کر پڑھیں جو قرآن مجید میں اس سے قبل اور اس کے بعد بیان ہوئے ہیں تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے جو مسلسل انبیاء اور کتابیں بھیج کر انعامات کئے اس سے انہیں یہ دھوکہ ہو گیا تھا کہ شاید نبی اور آسمانی کتاب اب ہمارے سوا دوسری قوم میں نہیں آسکتے۔ آیت ۲: ۱۰۵ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔ یہودی یہ خوب سمجھتے تھے کہ قرآن کتاب برحق ہے، اور آنحضرتؐ سچے نبی ہیں، اس کی پیش گوئی خود ان کی کتابوں میں موجود تھی۔ لیکن ان کو جلن یہ تھی کہ اس بار وحی ان کی

قوم و نسل سے باہر کیوں نازل کی گئی۔ قرآن مجید میں ان کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا، تاہم وہ اپنی بے جا ضد پر اڑے رہے اور سوائے چند کے اکثر ایمان نہیں لائے۔ یہودیوں کا نسلی اور قومی زعم توڑنے کے لئے قرآن مجید نے ان کی شریعت بھی منسوخ کر دی اور اسلام سے پہلے جتنے احکام خدا کی طرف سے دیئے گئے تھے وہ اب نا قابل عمل قرار دیئے گئے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر اگر ہم آیت ۱۰۶ کو پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ یہاں درمیان میں کوئی نیا مضمون بیان نہیں کیا گیا۔ حقیقت میں اس آیت میں ظہور اسلام کے بعد ان کی کتابوں، شرائع اور جملہ قوانین کو تبدیل کر کے نئی اور اس سے بہتر شریعت اور جامع احکام دیئے جانے کا اعلان ہے۔ آگے چل کر اسی سورت میں تحویل قبلہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں تاکہ یہودیوں کو یہ پوری طرح یقین ہو جائے کہ نہ صرف یہ کہ ان کی شریعت کو منسوخ کیا گیا ہے بلکہ ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ یہودی شریعت کے منسوخ کرنے اور تحویل قبلہ کے احکام سے مقصود درحقیقت یہودی سیادت کی جڑ کاٹنا تھا۔ ابن اسحاق نے بھی تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ سورہ بقرہ کی ابتدائی ۱۴۱ آیات ان یہودی علماء اور نو مسلموں کے بارے میں نازل ہوئیں جو مسلمان تو ہو گئے تھے، لیکن ان کے دل ابھی تک یہودیت کی طرف ہی مائل تھے۔ (۳۴) اس آیت میں بظاہر یہودی شریعت ہی مراد ہے جس کا کچھ حصہ تو پہلے ہی سیاسی افراتفری میں ضائع ہو چکا تھا، جس کو قرآن مجید اسی آیت میں "اوننسہا" سے تعبیر کرتا ہے، اور باقی حصہ قرآن مجید کے نزول کے بعد منسوخ کر دیا گیا بلکہ ظہور اسلام سے بھی پہلے عیسائی تحریک اور پولس کے ہاتھوں یہودی شریعت پر کاری ضرب لگ چکی تھی۔ مفسرین نے اس تاریخی پہلو کو عام طور پر نظر انداز کر دیا اور نسخ آیت سے مراد قرآن مجید کی آیات کا ایک دوسرے کو منسوخ کرنا لیا۔ خود لفظ آیت کے معنی کی بنا پر بھی اس کی تفسیر میں الجھن پیش آتی ہے۔ لغت میں آیت میں متعدد معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ابتدائی معنی علامت اور پیغام کے سمجھے گئے ہیں۔ غالباً اسی لفظی مناسبت سے قرآن کے مختلف فقروں کو آیت کہا جاتا ہے۔ (۳۵) قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنی میں مستعمل ہے۔ مثلاً نشانی (۱۷: ۱۲، ۱۹: ۲۱) معجزہ (۶: ۳۵، ۷: ۱۰۶)، حکم (۶: ۱۲۵)، پیغام (۲۰: ۴۷، ۳۶: ۴۶) اور وحی الہی (۶: ۴) اب اس آیت میں لفظ آیت صرف قرآن کے مختلف احکام یا فقرے مراد لینا اور وحی یا پیغام الہی مجموعی طور پر مراد نہ لینا بظاہر تحکم ہو گا، سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وحی الہی مراد ہے۔

اب دوسری آیت ۱۶: ۱۰۱ کو لیجئے۔ یہاں بھی نسخ کے قائلین نے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے لفظ آیت سے مراد قرآنی احکام لئے ہیں۔ اس سے اگلی آیت یہ صاف بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ میں ہجرت کے بعد

یہودیوں اور بعض نئے مسلمانوں کی طرف سے ایک اور چیلنج کا سامنا تھا۔ اور وہ چیلنج یہ تھا کہ کیا ایک اُمّی (ان پڑھ) پر بھی وحی آسکتی ہے اور کیا ایسا شخص انبیائے بنی اسرائیل کی جگہ لے سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے آپ پر طرح طرح کی بہتان طرازیاں شروع کیں، اور یہ بات کہی کہ آپ پر وحی نہیں آتی بلکہ کوئی عجمی آپ کو یہ باتیں سکھاتا ہے۔ چنانچہ آیت ۱۶ : ۱۰۳ میں قرآن مجید نے ان کے اس الزام کی تردید کی۔ منافقین یہود نے آپ پر جو قرآن گھڑنے کا الزام لگایا تھا اس آیت میں اُن کو جواب دیا گیا ہے۔ یہودی چونکہ رسالت اور نزول وحی کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے اس لئے اس آیت میں ان کے اس باطل خیال کو رد کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ آپ پر حضرت جبریلؑ کے توسط سے ہی وحی نازل ہوئی ہے، کسی انسان نے آپ کو اس کی تعلیم نہیں دی۔ لہذا یہاں تبدیلِ آیت سے مراد سیاق و سباق کے لحاظ سے تبدیلِ وحی الٰہی ہونا چاہیے نہ کہ قرآنی آیات کی تبدیلی، جیسا کہ عام مفسرین اور علماء اصول نے سمجھا ہے۔

آیت ۱۳ : ۳۹ پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے، کیونکہ اس کی تفسیر بھی سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے نسخ آیات کے لئے کی گئی ہے۔ اس آیت کو ماسبق کی آیات ۱۳ : ۳۶۔۳۸ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ یہاں قطعی طور پر نسخ احکام قرآنی، یا نسخ آیات کا مفہوم نہیں نکلتا۔

نسخ آیات کے جواز میں مفسرین اور علماء اصول نے اور بھی مزید آیات پیش کی ہیں، لیکن ان کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ قرآن مجید الفاظ میں وسعت اور عمومیت ہوتی ہے، اپنے ذوق کے مطابق ان سے مراد کچھ بھی لی جاسکتی ہے۔ اختلافی مسائل میں عام طور پر کچھ اسی قسم کے دلائل دیئے جاتے ہیں۔

اب ہم ان آیات کو لیتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کا حصہ تھیں، لیکن بعد میں ان کے الفاظ اور تلاوت منسوخ ہو گئی، تاہم ان کا حکم اب بھی باقی ہے۔ اس قسم کی آیات تاریخ اور حدیث کے ذخیرہ میں پائی جاتی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں :

(۱) لو ان لابن آدم وادیا من مال لا بتغی الیه ثانیا، ولو ان له ثانیا لا بتغی الیه ثالثا، ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب، ویتوب الله علی من تاب۔

ترجمہ : اگر انسان کو مال و دولت کی ایک پوری وادی میسر آجائے، تو وہ دوسری کی تلاش میں رہے گا، اور دوسری مل جائے تو تیسری کی انسان کا پیٹ صرف مٹی ہی سے بھرتا ہے، اور خدا اس کو بخش دیتا ہے جو توبہ کرے۔

(۲) ان الدین عندالله الحنیفیة السمحه، لا الیهودیة ولا النصرانیة، ومن یفعل خیرا فلن یکفره۔

ترجمہ : اللہ کے نزدیک مقبول دین ابراہیمی حنیفی ہے جس کے اصول واضح اور سیدھے ہیں، نہ یہودیت اور نہ نصرانیت۔ اور جو شخص نیکی کرے گا اسے اجر سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔

(۳) ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ الا ابشرو انتم المفلحون۔ والذین آووھم و نصروھم وجادلوا عنھم القوم الذین غضب اللہ علیھم اولئك لا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون۔

ترجمہ: (اے وہ لوگو) جو ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، تمہیں خوش خبری ہو کہ تم کامیاب ہو اور جنہوں نے ان کو پناہ دی، اور ان کی مدد کی، اور ان کی طرف سے ان لوگوں سے لڑے جن پر اللہ کا غضب ہو اکسی کو نہیں معلوم کہ خدا نے ان کے لئے کیا کیا خوشیاں اور راحت وآرام چھپا کر رکھا ہے' یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

(٤) عن ابی موسی قال: کنا نقرا سورة نشبھا باحدی المسبحات و انسیتھا غیرانی قد حفظت منھا، یا ایھاالذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، فتکتب شھادة فی اعناقکم فتسئلون عنھا یوم القیامة۔

ترجمہ: ابو موسی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سورت کو پڑھا کرتے تھے جو مسبحات سورتوں کے مشابہ تھی، لیکن اسے مجھے بھلادیا گیا، مجھے اس میں سے صرف یہ یاد رہ گیا ہے۔ اے لوگو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو، یہ شہادت تمہارے ذمہ لکھی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں قیامت کے دن تم سے باز پرس ہو گی۔

(٥) عن انس قصة اصحاب بئر معونة قال: انزل فی الذین قتلوا ببئر معونة قرآن ثم نسخ بعد، بلغوا عنا قومنا انا قدلقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنه۔

ترجمہ: بئر معونہ کے مقام پر جو صحابہ شہید ہوئے تھے ان کے بارے میں حضرت انس کہتے ہیں کہ قرآن کی آیتیں نازل ہوئی تھیں جو بعد میں منسوخ ہو گئیں وہ یہ ہیں: ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچادو کہ ہم اپنے رب سے مل گئے' وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔

(٦) لا ترغبوا عن آبائکم فانه کفر بکم، الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة، نکالا من اللہ، واللہ عزیز حکیم۔

ترجمہ: اپنے باپ دادا سے بے رغبتی مت کرو کہ یہ کفر ہے، بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو۔ خدا کی طرف سے یہ ایک عبرت ناک سزا ہے۔ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(۷) النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجه امھاتھم وھو اب لھم۔

ترجمہ: پیغمبر مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں، اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں' اور وہ خود ان کے باپ ہیں۔

(۸) عن عایشه قالت: کان فیما انزل اللہ عشرا رضعات معلومات یحرمن فنسخن بخمس معلومات فتوفی رسول اللہ ﷺ وھن مما یقرا من القرآن۔

ترجمہ: حضرت عایشہ سے روایت ہے کہ مجملہ دیگر احکام کے خدا نے یہ حکم بھی نازل فرمایا تھا کہ کوئی بچہ کسی عورت کے دس گھونٹ

دودھ پی لے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، یہ حکم سب کو معلوم تھا۔ بعد میں اس کو منسوخ کر کے پانچ گھونٹ کر دیئے گئے، جو سب کو معلوم ہیں۔ رسول اللہ کی وفات کے وقت قرآن میں پڑھی جاتی تھی۔ (۳۶)

جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات قرآن مجید میں موجود تھیں بعد میں ان کے الفاظ منسوخ ہو گئے، اور حکم باقی رہا، ان کی حیثیت اخبار احاد کی ہے۔ اور قرآن مجید تواتر سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کو قرآن کا جز نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے بعض آیتوں میں قرآن مجید کے چند الفاظ جوڑ دیئے گئے ہیں۔ باقی جو حصے قرآن مجید میں نہیں ہیں ان کے الفاظ فصاحت سے گرے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں آیت رجم اور آیت رضاعت پر مختصر گفتگو کریں گے، کیونکہ ان کے احکام اب تک باقی ہیں، اگرچہ الفاظ منسوخ ہو گئے ہیں۔ مؤطا مالک میں آیت رجم حضرت عمر سے ان الفاظ میں مروی ہے:

قال عمر ایاکم ان تهلکوا عن آية الرجم أن يقول قائل: لا نجد حدين فی كتاب الله ، فقد رجم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و رجمنا، والذی نفسی بيده لولا ان يقول الناس: زاد عمر ابن الخطاب فی كتاب الله تعالى لكتبتها: الشيخ والشيخة اذا زينا فارجموهما البتة فانا، قد قرأنا ها۔ (۳۷)

حضرت عمر نے فرمایا کہ کوئی شخص آیت رجم کو یہ کہہ کر نہ چھوڑ دے کہ کتاب اللہ میں (زنا کے بارے میں) دو قسم کی سزائیں نہیں ملتیں، کیونکہ خود رسول اللہؐ نے بھی رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس کو ضرور (قرآن میں) لکھ دیتا۔ (وہ آیت یہ ہے) بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو، کیونکہ ہم نے اس حکم کو (قرآن میں) پڑھا ہے۔

زنا کے ارتکاب پر قرآن مجید نے سو کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ تاہم فقہا نے اس قسم کی روایات اور نبی کریمؐ کے عمل اور تعامل صحابہ کے پیش نظر رجم کے لئے احصان کی شرط لگائی ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں غلاموں کیلئے نصف سزا یعنی پچاس کوڑوں کا حکم ہے، اس صورت میں ان پر رجم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں غالباً صرف خوارج نے رجم کا انکار کیا ہے۔ (۳۸) ہمیں یہاں مسئلہ رجم پر بحث نہیں کرنی کیونکہ یہ ایک مستقل تحقیق طلب موضوع ہے، جس پر اہل علم نے تفصیلی بحثیں کی ہیں، رجم بلاشبہ آنحضرتؐ اور بعد کے مسلمانوں کے عمل سے ثابت ہے۔ لیکن اس کو قرآن سے ثابت کرنا، درست معلوم نہیں ہوتا۔ اگر حضرت عمر کو یقین تھا کہ یہ آیت قرآن میں موجود تھی تو وہ ضرور اس کو قرآن کا حصہ ہی سمجھتے، اور لوگوں سے نہ ڈرتے۔ اس آیت کے بارے میں واضح طور پر دہ

یہ بھی نہیں کہتے کہ اس کے الفاظ منسوخ ہو گئے ہیں اور اس کا حکم باقی ہے۔ اتنا بہر حال یقینی ہے کہ رجم کا حکم سنت سے ثابت ہے، اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آیت رضاعت بھی منسوخ بتلائی جاتی ہے، لیکن امام شافعی کا اس پر عمل ہے۔(۳۹) امام مالک نے اس کو مؤطا میں نقل ضرور کیا ہے لیکن ان کا اس پر عمل نہیں، کیونکہ مدینہ میں اس پر عمل نہیں تھا۔(۴۰) اہل عراق کا بھی اس پر عمل نہیں ہے۔ ان کے نزدیک ایک گھونٹ بھی حرمت رضاعت کے لئے کافی ہے۔(۴۱) امام شافعی سے پہلے متقدمین فقہاء نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے ان کے نزدیک اس آیت کے نہ صرف الفاظ منسوخ ہیں، بلکہ حکم بھی منسوخ ہے۔

اس قسم کی آیات کو قرآن مجید کا حصہ سمجھا گیا ہے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ ان میں الفاظ کتاب اللہ قرأناھا، أنزل وغیرہ موجود ہیں، مثلاً حضرت عمر کی طرف منسوب آیت رجم کی دوسری روایت میں ہے الرجم فی کتاب الله حق علی من زنی من الرجال و النساء (۴۲) مردوں اور عورتوں میں جو بھی زنا کرے اس کو کتاب اللہ کے حکم کے موافق، جو حق ہے، سنگسار کرنا چاہئے)۔ اسی طرح آیت رضاعت میں کان فیما انزل من القرآن (قرآنی احکام میں ایک حکم یہ بھی نازل ہوا تھا) ملتا ہے۔ ان الفاظ کی لفظی اور ظاہری توجیہ قرآن سے کی گئی، اور یہی سمجھا گیا کہ یہ آیتیں بھی اپنے الفاظ کے ساتھ اسی طرح قرآن مجید میں موجود تھیں، جیسے دوسری محکم آیات موجود ہیں۔ اس قسم کی روایات کو درست مان کر انہیں قرآن کا حصہ سمجھنے سے خود قرآن کی صحت پر بھی شبہات کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے کتاب اللہ وغیرہ کے الفاظ سے مراد عین قرآن لینے کے بجائے اس کی دوسری توجیہات بھی کی جا سکتی ہیں۔ بعض اہل علم نے اس سے مراد تورات یا عام شرعی احکام یا شریعت مراد لی ہے۔(۴۳) امام سرخسی اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ویحمل قول من قال فی آیة الرجم انه فی کتاب الله : ای فی حکم الله تعالیٰ، کما قال تعالی:

کتاب الله علیکم، ای حکم الله علیکم (٤٤)۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت رجم کتاب اللہ میں تھی، ان کے اس قول سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ رجم ایک حکم خداوندی ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ کتاب اللہ علیکم یعنی اللہ کی طرف سے تم پر یہ فرض ہے۔ یہاں لفظ کتاب اللہ سے مراد حکم خداوندی ہے جو تم پر فرض ہے۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ عہد نبوی میں شرعی احکام کی تاکید اور عمل کرانے کے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہوں گے۔(۴۵) ہمارے خیال میں اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے۔ ممکن ہے لوگ

بعض شرعی احکام کی طرف سے غفلت برتنے لگے ہوں اور ان کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوں، تو اس قسم کے احکام کی اہمیت بتلانے کے لئے راویوں نے ان کو قرآن کی طرف منسوب کیا، گویا ان کا مقصود یہ تھا کہ ان کی فرضیت قرآنی احکام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ سب توجیہات اس صورت میں ممکن ہیں کہ ان روایات کو درست سمجھا جائے۔ تاہم ان کی صحت پر بھی کلام کیا جاسکتا ہے۔

دوم یہ کہ بعض صحابہ نے ان آیات کو غلطی سے قرآن سمجھ لیا ہو، اور بعد میں ان کو اس کا احساس ہوا ہو۔ ابن قتیبہ نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابن مسعود کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ معوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے (اگر چہ یہ بات تحقیق کے خلاف ہے)۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ابن قتیبہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر حسنؓ اور حسینؓ پر کثرت سے دم کیا کرتے تھے۔ اس سے شاید ابن مسعود نے یہ سمجھا ہو کہ ان سورتوں کی حیثیت محض دعا کی ہے نہ کہ عام آیات کی طرح یہ قرآن کا ایک حصہ ہیں۔ اس کے برعکس ابی بن کعب نے دعائے قنوت کو قرآن کا حصہ سمجھ کر اپنے مصحف میں قرآن کی دوسری آیات کے ساتھ لکھ لیا۔ ابن قتیبہ ان کی غلط فہمی کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ نبی کریمؐ اس دعا کو نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کو شاید قرآن ہی سمجھا۔ (۴۶) یہ محض قیاس آرائی ہے قطعی طور پر اس بارے میں کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔



حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت رضاعت نبی کریمؐ کی وفات کے وقت قرآن میں پڑھی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید آپ کی وفات کے بعد وہ منسوخ ہوئی ہو۔ اس سے بلاشبہ قرآن مجید کی صحت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ امام سرخسی نے اس قسم کی روایات کو نقل کر کے اس بات کی سختی سے تردید کی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی قرآن مجید کی آیات منسوخ ہوئیں۔ (۴۷) آیت رجم اور آیت رضاعت کے بارے میں ابن قتیبہ نے حضرت عائشہ سے منسوب ایک یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ہم نبی کریمؐ کی تدفین میں مشغول تھے، یہ دونوں آیتیں ایک پرزے پر لکھی ہوئی تھیں جس کو میں نے ایک تخت کے نیچے رکھ دیا تھا، ایک بکری نے آکر اس پرزے کو کھالیا۔ (۴۸) امام سرخسی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اگر بکری نے اس پرزہ کو کھالیا تھا تو دلوں سے تو یہ آیتیں محو نہیں ہوئی تھیں، ان کو کسی دوسری چیز پر لکھا جاسکتا تھا۔ (تا کہ وہ قرآن کا حصہ ہی رہتیں)۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی جس سے حکم رضاعت کا قرآن میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے کوئی اصل نہیں۔ (۴۹)

اب رہیں وہ آیتیں جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہیں، ان کے بارے میں امام سرخسی نے یہ کہا ہے

کہ شاید ان سے مراد وہ صحیفے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ پر نازل ہوئے تھے، یا اور ایسی دوسری آسمانی کتابیں ہوں جو دوسرے انبیاء پر نازل ہوئی تھیں، ان کی بنیادی تعلیمات قرآن مجید میں لے لی گئیں، اس لئے ان کو منسوخ کر دیا گیا۔ سرخسی اس سلسلہ میں قرآن مجید کی دو آیتیں پیش کرتے ہیں جو یہ ہیں: (۱) ان ھذا لفی الصحف الا ولی، صحف ابراھیم و موسی (۲) وانہ لفی زبر الاولین۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں پچھلے انبیاء کی اصولی تعلیمات موجود ہیں۔ اس لئے وہ اب قابل عمل نہیں رہیں۔ (۵۰) بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی سورتیں تھیں جن کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔ مثلاً ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ کئی صحابہ تہجد کی نماز پڑھنے کیلئے اٹھے وہ ایک خاص سورت نماز میں پڑھنا چاہتے تھے جو ان کو پہلے سے یاد تھی، لیکن وہ اس کو نہیں پڑھ سکے، صبح کو انہوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: انھا مما نسخ البارحة۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو گذشتہ رات منسوخ ہو گئیں۔ (۵۱)

چوتھی قسم کے بارے میں ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ وہ آیتیں جو مجمل تھیں، دوسری آیتوں نے ان کی تفسیر کی یا جو عام تھیں، دوسری آیت سے ان کا حکم خاص سمجھا گیا۔ احناف اس کو نسخ مانتے ہیں۔ اور امام شافعی تخصیص۔ (۵۲) اصول فقہ کی کتابوں میں اس پر تفصیلی بحث دیکھی جا سکتی ہے۔

نسخ آیات کے سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ آیا قرآن مجید میں موجود حکم سنت سے منسوخ ہو سکتا ہے؟ نیز سنت سے ثابت شدہ حکم قرآن کے حکم سے منسوخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قرآن کا حکم قرآن سے منسوخ ہو سکتا ہے اور سنت کا سنت سے، ایک کا حکم دوسرے سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے رسالہ میں اس کے دلائل تفصیل سے پیش کئے ہیں۔ (۵۳) باقی آئمہ کے نزدیک قرآن سے سنت اور سنت سے قرآن کا حکم منسوخ ہو سکتا ہے۔ علماء اصول نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ مسئلہ نسخ ایک وسیع موضوع ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں۔ ہم نے اس مقالہ میں صرف قرآن مجید میں منسوخ آیات سے بحث کی ہے باقی مسائل ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

بعض اہل علم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر قرآن مجید ابدی ہے اور اس کے احکام ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے ہیں تو اس میں منسوخ آیات کا پایا جانا قرآن کی اس ابدیت کو متاثر کرتا ہے۔ قرآن کے احکام ابدی اسی وقت ہو سکتے ہیں جب ان پر عمل بھی ہو سکے۔ اگر ان میں سے کچھ ناقابل عمل ہیں تو گویا وہ ابدی نہ ہوئے۔ اگر قرآن کے احکام کو تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو نہ یہ اعتراض باقی رہتا ہے اور نہ ہی نظریہ نسخ کے ماننے کی ضرورت ہے۔ یہ سب

جانتے ہیں کہ قرآن مجید تئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ احکام وقتی تقاضوں اور حالات کے مطابق نازل ہوتے تھے۔ حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ احکام بھی بدلتے رہے۔ حالات کے بدلنے سے جو نئے احکام آئے تو سابق احکام کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب ان پر کبھی بھی عمل نہیں ہوگا، یا وہ قطعاً منسوخ ہوگئے۔ ظاہر ہے اختتام وحی کے بعد سارے قرآن پر بیک وقت، ایک ہی قسم کے حالات میں، ایک ہی مقام پر عمل نہیں ہوسکتا۔ مختلف حالات کے لئے مختلف احکام ہیں اور ان پر وقتاً فوقتاً عمل ہوتا رہے گا۔ جو احکام جن حالات میں نازل ہوئے ظاہر ہے اس کے مشابہ حالات آئندہ بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ ان حالات میں جن احکام کو منسوخ سمجھا جاتا ہے، ان پر عمل ہوسکتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے : کہا جاتا ہے کہ کفار کے مقابلہ میں سختیوں پر صبر و تحمل کے جو احکام مکہ میں نازل ہوئے تھے ان کو جہاد کے احکام نے منسوخ کر دیا۔ ہم یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکہ میں مسلمانوں کے پاس طاقت نہیں تھی۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ کفار کا مقابلہ وہ اجتماعی طور پر نہیں کر سکتے تھے' اس لئے ان کو صبر و تحمل اور عفو و در گزر کے احکام دیئے گئے۔ لیکن جب وہ طاقت ور ہوگئے، اور اللہ تعالی نے ان کو مقابلہ کی قوت بخشی تو انہیں جہاد کے احکام دیئے گئے۔ ظاہر ہے آئندہ بھی یہ دونوں قسم کی حالتیں مسلمانوں پر آسکتی ہیں۔ مسلمان اگر ضعیف و کمزور ہوں گے تو اپنی قوت بڑھانے تک ان کو صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا۔ اور جب ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے گی تو جہاد کرنا ہوگا۔ اس طرح کی توجیہات سے اس قسم کے احکام میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ اور اصول نسخ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بعض اہل علم نے ناسخ، منسوخ یا متضاد آیتوں کے درمیان اسی طرح تطبیق کی کوشش کی ہے۔ اور ہمارے خیال میں تنسیخ آیات سے بہتر ہے کہ ان میں موافقت پیدا کی جائے، تاکہ مختلف حالتوں میں مختلف احکام پر عمل ہوسکے۔ صائب رائے' معقول تعبیر اور مناسب توجیہات سے جہاں منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) سے گھٹا کر بیس (۲۰) اور بیس (۲۰) سے گھٹا کر پانچ کی جاسکتی ہے' وہاں اسی طریقہ سے ان پانچ کو بھی صفر بنایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

## حواشی

(۱) مزید لغوی تشریح کے لئے لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اصول السرخسی، ج ۲، ص ۵۳، اور آمدی کی الاحکام فی اصول الاحکام میں نسخ کی لغوی توضیح تفصیل سے موجود ہے۔

(۲) اصول السرخسی۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۴ھ، ج ۲، ص ۵۴۔

(۳) ایضاً ص ۶۰

(۴) ایضاً ص ۷۸

(۵) محمد بن الحسن۔ کتاب الآثار۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۲۸۲۔

(۶) مؤطا مالک، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۱ع، ج ۲، ص ۷۶۵۔

(۷) آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، قاہرہ ۱۹۱۴ع، ج ۳، ص ۱۶۷۔۲۰۱۔

(۸) فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، قاہرہ ۱۳۰۷ھ، ج ۱، ص ۴۴۶۔

(۹) عبد المتعال محمد الجبری، النسخ فی الشریعۃ الاسلامیہ، قاہرہ ۱۹۶۱ع، ص ۶۱۔

(۱۰) ابن الندیم، الفہرست، قاہرہ ۱۳۴۸ھ، ص ۵۶۔

(۱۱) السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ ۱۳۱۷ھ، ج ۲، ص ۲۰۔

(۱۲) النحاس، کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم، قاہرہ، ۱۳۲۳ھ، ص ۴۔۵۔

(۱۳) ابن قیم، اعلام الموقعین، دہلی، ۱۳۱۳ھ، ج ۱، ص ۱۲۔

(۱۴) اصول السرخسی، ج ۲، ص ۸۲۔

(۱۵) الشاطبی، الموافقات، تیونس، ۱۳۰۲ھ، ج ۳، ص ۵۸۔

(۱۶) الفوز الکبیر (اردو ترجمہ)، کراچی ۱۹۶۰ع، ص ۷۸۔

(۱۷) البخاری، الجامع الصحیح، مطبوعہ لیڈن، ج ۳، ص ۲۰۲۔

(۱۸) ایضاً، ج ۲، ص ۱۹۱، (کتاب الوصایا)۔

(۱۹) عبد المتعال الجبری، النسخ فی الشریعۃ الاسلامیہ، محولا بالا ایڈیشن، ص ۷۱۔

(۲۰) ابن خزیمہ نے ان سب کو یکجا کر دیا ہے، ملاحظہ ہو الموجز فی الناسخ والمنسوخ، قاہرہ ۱۳۲۳ھ، ص ۲۶۵۔

(۲۱) فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب، محولہ بالا ایڈیشن' ج ۱، ص ۴۴۴ آمدی، الاحکام، ج ۳، ص ۱۶۵۔

(۲۲) السیوطی، الاتقان، محولہ بالا ایڈیشن' ج ۲، ص ۲۳۔

(۲۳) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، محولہ بالا ایڈیشن، ص ۹۶، نیز صفحات ۷۸۔۹۶۔

(۲۴) الشہرستانی، کتاب نہایۃ الاقدام فی علم الکلام، بغداد، ص ۵۰۲۔۵۰۳۔

(۲۵) تفسیر المنار، قاہرہ ۱۹۵۴ء، ج ۲، ص ۱۳۸۔۱۴۱۔

(۲۶) تفسیر القران مطبوعہ لاہور، تاریخ طباعت درج نہیں، ص ۱۳۷۔۱۴۰۔

(۲۷) بحوالہ Baljon Modern Muslim Kuran Interpretation Leiden 1961, p. 49-

(۲۸) التفہیمات الالہیہ، بجنورد، ۱۹۳۶ع، ج ۲، ص ۷۳۔

اس موضوع پر محمد عبد المتعال الجبری کی کتاب النسخ فی الشریعۃ الاسلامیۃ ایک سنجیدہ علمی کاوش ہے۔

(۲۹) الآمدی الاحکام، ج ۳، ص ۱۶۵۔

(۳۰) عہد نامہ جدید، پولس کے خطوط، افسیون کے نام، ۲: ۱۵، کلسیوں کے نام، ۲: ۱۴،

(۳۱) Theodor Noeldeke, Geschischte des Qorans, Hildesheim, 1961, p. 52.

(۳۲) Von Grunebaum, Islam, London, 1961,p. 85.

(۳۳) A Guillaume Islam, Edinburgh, 1962,p. 189 New Light in the life of Muhammad, Cambridge,p.38.

قصہ غرانیق کے بارے میں اہل علم نے تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ ہم نے اپنی انگریزی تصنیف اصول فقہ کی تاریخ میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔

(۳۴) ابن ہشام، سیرت النبی، قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں، ج ۲، ص ۱۵۲۔۱۷۶۔

(۳۵) لغوی تحقیق کیلئے بیان اللسان اور تاج العروس جیسی عربی لغات کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

(۳۶) ہم نے یہاں چند آیات نقل کی ہیں، ڈاکٹر علی حسن عبد القادر نے اس قسم کی بارہ آیتیں مختلف مقامات سے نقل کی ہیں اور ان کے ماخذ بھی بتائے ہیں۔ ملاحظہ ہو، نظرہ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی، قاہرہ ۱۹۴۲ء، ج ۱، ص

۴۳۔۴۷۔

(۳۷)مؤطامالک، ج۲، ص ۸۲۴۔

(۳۸)امام رازی نے سورہ نور کی آیات ۲۔۳ کی تفسیر کے ذیل میں خوارج کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیاہے، اور ان کے جوابات دیئے ہیں۔

(۳۹)کتاب الام، قاہرہ، ۱۳۲۴ھ، ج۷، ص ۲۰۸۔

(۴۰)مؤطامالک، ج۲، ص ۶۰۸۔

(۴۱)محمد بن الحسن، مؤطا، دیوبند، ص ۲۷۸۔

(۴۲)مؤطامالک، ج۲، ص ۸۲۳۔

(۴۳)اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد اسماعیل، چند ناسخ و منسوخ آیات، معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۸ء، ص ۳۸۶۔

(۴۴)اصول السرخسی، ج۲، ص ۷۹۔

(۴۵)علی حسن عبد القادر، نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی، ج۱، ص ۴۶۔

(۴۶)ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۳۲۔

(۴۷)اصول السرخسی، ج۲، ص ۷۸۔۷۹۔

(۴۸)تاویل مختلف الحدیث، ص ۳۹۷۔۳۹۸۔

(۴۹)اصول السرخسی، ج۲، ص ۷۹۔۸۰۔

(۵۰)ایضاً، ص ۷۸۔

(۵۱)القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ ۱۹۳۵ء، ج۲، ص ۶۳۔

(۵۲)اصول السرخسی، ج۲، ص ۸۲۔

(۵۳)رسالہ شافعی، قاہرہ ۱۳۲۱ھ، ص ۱۷۔۲۲۔